آپ بیتی "ایک ادھوری سرگزشت" کا تنقیدی جائزہ

محمد طاہر صابر
بشریٰ پروین

Abstract:

Anis Nagi is a notable reference in poetry and prose of Lahore literary history. He tried to go through every literary path in his long literary journey. He expanded the Urdu language through his individuality and propagation of modern literary trends. His commitment and love for poetry and literature is not hidden from anyone. He has many books on fiction, novels, criticism, poetry and translations. He gave place to new and unfamiliar words in poetry and prose creations and gave a new perspective to poetic linguistics. The review under consideration is with reference to his autobiography "Aik Adhuri Sarguzasht ".

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ انیس ناگی نے جس طرح ادھوری سرگزشت میں پورا سچ کہنے کی جرات کی ہے اس کا رواج آپ بیتیوں، بالخصوص اردو آپ بیتیوں میں کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ بدیسی آپ بیتیوں میں شاید ایسی بے ساختہ تحریروں کے کئی حوالے موجود ہوں لیکن اردو آپ بیتیوں میں انہوں نے جس طرح اپنے اسلاف کے کارناموں کے نمایاں پہلو سامنے لائے ہیں بلکہ انہیں اجاگر کیا ہے اس کے برعکس مشرقی تہذیبی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے آپ بیتیوں میں "ایسے "کاناموں پہ پردہ پوشی کی جاتی ہے اور مبالغہ آمیزی سے اسلاف کا تعارف ایسے کرایا جاتا ہے جیسے وہ انسان نہ ہوں، فرشتہ ہوں۔ ریحانہ خانم لکھتی ہیں:

> "آپ بیتی لکھنے والا خود ہی اپنا ناقد ہے۔ خود اپنا تجزیہ کرتا ہے۔ خود ہی اپنا شاہد ہے۔ اور خود ہی اپنی تصویر بناتا ہے اور اس تصویر میں زندگی سموتا ہے۔ کسی کی گواہی دینا آسان اپنا گواہ بننا مشکل۔ کسی کے معائب اور کمزوریاں دکھانا عام ہے۔ مگر اپنے معائب اور کمزوریوں کا ذکر کرنا دشوار۔ سچائی اور سب کچھ بیان کر دینے والے انداز

میں اپنی ہی ذات سے متعلق ہر طرح کے انکشافات کرنا کسی خاص آپ بیتی نگار کا کام ہو سکتا ہے۔"[۱]

انیس ناگی نے اسلاف سے ایسی ہمدردانہ روش سے اجتناب کرتے ہوئے آپ بیتی کے حسن کو برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے جھوٹا ماضی تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ ہی معائب کی پردہ پوشی کرتے ہوئے جھوٹ کو سچے رنگوں سے ملمع کاری کرنے کی کوشش کی ہے۔ تبسم کاشمیری صاحب کی یہ رائے، ادھوری سرگزشت نے اردو ادب کو یہ سلیقہ سکھایا کہ ادبی خود نوشت کیسے لکھی جاتی ہے، حرف بہ حرف سند ہے۔

انیس ناگی کی "ایک ادھوری سرگزشت" ابتدائیہ سے لے کر تقریباً نصف تک جابجا والد گرامی جناب ابراہیم سے شکووں سے بھری پڑی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے قاری انیس ناگی کی آپ بیتی نہیں ان کے والد کی سوانح یا داستان پڑھ رہا ہو۔ واقعہ کوئی بھی ہو اس کو والد سے جوڑ کر دکھ کو دوبارہ محسوس کرنا انیس ناگی کا نصف حصے تک بنیادی موضوع رہا ہے۔ "ایک ادھوری سرگزشت" پڑھتے ہوئے کبھی کبھی یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ انیس ناگی اپنی آپ بیتی کی بجائے اپنے والد سے تعلقات کا نوحہ لکھ رہے ہوں۔ یہ نوحہ قاری کو بھی اپنی گرفت میں لیتا ہے جس سے قاری، شفقتِ پدری سے محروم انیس ناگی کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہوئے ہمدردی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ یوں انیس ناگی آپ بیتی کے پہلے حصے میں نمایاں ہوتے ہوئے بھی متحرک کردار کی صورت میں نظر نہیں آتے بلکہ ان کے والد مولوی ابراہیم بنیادی بحث کا محور رہتے ہیں اور ان کا سایہ آپ بیتی پہ موجود رہتا ہے۔ انیس ناگی لکھتے ہیں:

> "ایک دن میں نے سوچا کہ اگر میں جوان ہو گیا تو پھر بھی اسی طرح والد کے سائے میں چھپ کر گھومتا رہوں گا؟ میں اس سائے سے پیچھے ہٹ کر خود دھوپ میں چلنا چاہتا تھا کہ ہر آدمی کا سایہ دوسرے سے الگ ہوتا ہے اور میرا کوئی سایہ نہیں ہے۔ اگر میرے والد مہربان ہوتے تو میں شاید ان کے سائے کی انگلی پکڑ لیتا لیکن میں تو دائمی طور پر خوف و ہراس میں رہتا تھا۔ ان کا نام ابراہیم تھا اور ان حالات میں مَیں اسماعیل کیسے بن سکتا تھا۔"[۲]

والد سے ان کا شکوہ دینی عقائد سے شروع ہوتا ہے اور عملی زندگی میں پیشوں کے چناؤ تک چلتا رہتا ہے۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ اگر زندگی میں کسی شخص سے انہیں سب سے زیادہ عناد رہا ہے تو وہ ان کے

والد ہی تھے۔ ایک جگہ انیس ناگی خود اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے بھائی اعلی درجے کے کھلاڑی تھے وہ میڈل اور انعامات جیتتے جس سے وہ احساس کمتری کا شکار ہوتے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو دو حصوں میں منقسم کر لیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں نے دانستہ طور پر اپنی زندگی کو دو حصوں مین بانٹ لیا تھا- میں ظاہری طور پر اپنے کو غایت درجہ نارمل بنانے کی کوشش کی۔ ایک کم گو، پیچھے کو ہٹا ہوا نوجوان جو محدود لوگوں سے ملتا جو ادب کا بہت شوقین تھا اور دنیا سے لاپرواتھا جس کے لب و لہجہ میں کسی قدر اکھڑپن بھی تھا۔ میرا باطن اس روپ سے مختلف تھا، جو تشنگی اور نارسائی کا بھڑکتا ہوا شعلہ تھا، جو کسی ڈسپلن کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، جو ہر طرح کی آزادی چاہتا تھا جو ایسی دنیا میں جانے کا آرزومند تھا جہاں تنہائی کا خوف نہ ہو، جہاں مرد اور عورت کو ملنے کی آزادی ہو جہاں جنسی تعلقات غیر مشروط ہوں، جہاں نائٹ کلب ہوں، جہاں کیبرے ہوں، جہاں ارغوانی مے ہو، جہان کوئی یہ نہ پوچھے کہ تم کون ہو؟" ۳؎

گھریلو حالات کشیدہ رہے لڑکپن اور جوانی کے ایام میں بھی دوستوں سے ان کا میل جول کم رہا۔ بہن بھائیوں کی قطار میں ان کا نمبر بہت پیچھے تھا جس کی وجہ سے وہ بڑے بھائیوں اور بہن کے دباؤ میں رہے۔ اور بچپنے کی معصومیت کو دریافت نہ کر سکے۔ انیس ناگی اپنے خانگی حالات اور مسائل کا زیادہ ذمہ دار والدین کی کثرت اولاد کو بھی ٹھہراتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا والد اور والدہ سے جذباتی تعلق قائم نہ ہو سکا۔ یہ احساس ان کی حساس طبیعت کا حصہ بنتا گیا جس کا وہ کئی ایک جگہ اظہار کرتے ہیں:

"میں بچپن ہی سے طرح طرح کی محرومیوں کا شکار تھا۔ میرے والد میرے سوا اپنے ہر بیٹے کے لیے سفر کے دوران خریدا ہوا کوئی تحفہ لاتے، میں ان کی طرف دیکھتا تو وہ خاموش ہو جاتے۔"۴؎

اگرچہ ان کے والد اچھے عہدے پہ ملازمت کر رہے تھے اور مالی تنگی درپیش نہ تھی پھر بھی انیس ناگی کی آپ بیتی میں دوسرے بہن بھائیوں کی تعداد کو لے کر جہاں مالی مشکلات کا ذکر ملتا ہے وہیں وہ مختلف حوالوں سے کثرت مال کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ چاہے ذرائع آمدن جو بھی ہوں۔

"میرے والد کچھ نظریاتی قسم کے آدمی تھے جو اپنے خلاف رد عمل پیدا کروانے میں مہارت رکھتے تھے۔ حد سے زیادہ خود سری، احساس برتری، اور ایمان داری کا جنون ان کی تمام ملازمتی مشکلات کا ذمہ دار تھا۔ آج بھی میرے بہن بھائی سوچتے ہیں کہ اگر ہمارے والد ذرا کم دین دار ہوتے تو ہم تمام مالی مشکلات سے بچ جاتے اور دوسروں کی طرح خوشحال اور پر امن زندگی بسر کرتے۔ پیسہ ایک نعمت ہے اب یہ جاننا ضروری نہیں رہا کہ وہ کہاں سے آتا ہے۔"۵

انسانی فطرت میں یہ جذبہ گامزین رہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں، اس کی قدر کریں، اس کی ناموری کے قصے سنائے جائیں، اس کے کارناموں سے لوگ واقف ہوں اور اس کے نام پہ یادگاریں قائم ہوں کسی بھی پسندیدہ حوالے سے اس کی شناخت بنے۔ اس کی شہرت ملکی سرحدوں کی پابند نہ رہے اور وہ آفاقی ہو جائے۔ یہ خواہشات ادیب کے دل و دماغ میں نسبتاً زیادہ نمو پاتی ہیں۔ معاشرتی جبر میں پروان چڑھنے والے انیس ناگی کی خواہش تھی کہ وہ بین الاقوامی سطح پر ادب کا ایک روشن ستارہ بنے لیکن جغرافیائی اور تہذیبی سطح پر ایک محکوم خطے سے تعلق رکھنے کی بنا پر ان کا یہ خواب پورا نہ ہوا۔ انگریز سیشن جج اور اس کی بیوی، جن کی کوئی اولاد نہ تھی انہوں نے انیس ناگی کی پرورش کی ذمہ داری نبھانے اور اپنانے کے لیے انیس ناگی کے والد سے جو کہا، اس کو یاد کرتے ہوئے انیس ناگی لکھتے ہیں:

"انگریز سیشن جج اور اس کی بیوی کے رویے سے کم سے کم میرے اندر یہ احساس ضرور پیدا ہوا کہ میں اپنے بھائیوں سے مختلف تھا، میں شکل وصورت مین ان سے بہتر تھا اس لئے اس جوڑے نے مجھے اپنا بیٹا بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ کاش میری ماں ضد نہ کرتی۔ میرے جانے سے گھر میں کوئی خلا نہ پیدا ہوتا صرف ایک مویشی نے کم ہو جانا تھا اور اس کی جگہ کوئی اور مویشی لے سکتا تھا۔ میری ماں ضد نہ کرتی تو میری زندگی مختلف ہونی تھی میں نے مہذب لوگوں میں زندگی بسر کرنی تھی، مجھے دھکے کھانے نہیں پڑنے تھے، میں اپنے انسانی حقوق کا مطالبہ کر سکتا تھا، میں قدرت کو دیکھ سکتا تھا، میں سرد ملک کی رعنائیوں سے لبریز ہو سکتا تھا۔ لیکن میرا مقدر تو دوسروں نے لکھ دیا تھا کہ جاؤ ان خطوں میں رہو جہاں جینا اور مرنا برابر ہے۔"٦

انیس ناگی ملک میں رائج تعلیمی نظام کے شدید ناقد رہے وہ سمجھتے تھے کہ جس نظام میں ہم نے نصف صدی گزار دی ہے اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ علم اور تعلیم کا حصول ایک لایعنی عمل ہے اور ہمارے ملک میں تعلیم سے زیادہ بیکار کوئی چیز نہیں۔ اس کی انہوں نے کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے وہ عام زندگی میں قابلِ استعمال نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھتی ہے اور تعلیم کا ہدف نہ ہونے کی وجہ سے خودکشی کی ترغیب بڑھتی ہے۔ وہ اس معاشرتی پہلو کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ خواتین کو مناسب رشتے نہیں مل پاتے اور اس انتظار میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں:

> "تعلیم یافتہ عورتوں کا مردوں سے بھی زیادہ برا حال ہے۔ وہ ملازمتوں اور شوہروں کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں اور بہت سی وجوہات سے قطع نظر ہمارا نظامِ تعلیم فرسودہ ہے، یہ ہماری عملی زندگی سے غیر مربوط ہے۔ ہمارے ہاں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ خبر دیتی ہے علم کی آگاہی دینے سے قاصر ہے۔ میری اپنی ذات ایک فاسد نظام کی بدترین مثال ہے۔ میں نے جو تعلیم حاصل کی اس میری زندگی سے دور دور کا تعلق نہیں ہے۔"[7]

قاری کافی حد تک ان کے تعلیمی عدم تطابق نظریات سے متفق ہو سکتا تھا اگر وہ اسی تعلیم کی بنیاد پہ ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے گورنمنٹ کالج لاہور، گورنمنٹ کالج گوجرہ، گورنمنٹ کالج لائل پور میں لیکچرر اردو تعینات نہ ہوتے یا بعد میں سول سروس کا امتحان پاس کر کے سپریٹینڈینٹ اور ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ نہ بنتے۔ جس کو وہ محض ذاتی کاوش کا نتیجہ کہتے ہیں۔

آپ بیتی میں کہیں کہیں مبالغہ آمیزی کا تڑکہ بھی موجود ہے۔ ہو سکتا ہے واقعات کی سنگینی کو بڑھاوا دینے کے لیے انیس ناگی نے یہ رویہ اپنایا ہو۔ ان کے والد بوجوہ ملازمت مختلف شہروں کا رخ کرتے رہے اور وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ رہے، قصبات اور شہروں کی منظر کشی کرتے ہوئے، وہ اپنے بچپنے اور لڑکپن کی ناپختہ موجود معلومات سے جس طرح شہروں کا تعارف کراتے ہیں وہ درست نہیں اور نہ ہی وہ کسی علاقے تک محدود ہو کے اس کی شناخت کا باعث بن سکتا ہے۔ امر دپرستی کا ذکر کرتے ہوئے انیس ناگی پورے ملک کا عمومی تذکرہ کرتے ہوئے ڈیرہ غازی خان میں اس رجحان کو ایسے بیان کرتے ہیں:

''یہ رجحانات زیادہ تر محرومی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔لیکن ڈیرہ غازی خان میں یہ محرومی کچھ زیادہ ہی تھی۔ اگر محبوب لڑکا بس میں سفر کر کے شہر میں آیا ہے تو عاشق لڑکے کو بس کے ٹائر چومتے ہوئے دیکھا جاتا تھا۔''۸؎

ان کی آپ بیتی پڑھ کے یہ لگتا ہے کہ وہ نرگسیت کا شکار تھے وہ اپنے آپ کو شکل و صورت میں دوسروں سے بہتر سمجھتے تھے۔ خود کو دوسرے پروفیسروں کے مقابلے میں خوش لباس تصور کرتے تھے اور ادبی ذوق کی وجہ سے مہذب بھی۔شاید اس وجہ سے ، وہ لاہور کے علاوہ جہاں بھی رہے اس علاقے اور وہاں کے باشندوں کے حوالے سے ان کے تاثرات حوصلہ افزا نہیں رہے۔اس حوالے سے ان کے درج ذیل بیان دیکھیے:

"میں دو مہینوں کے قریب منحوس شہر گوجرانوالہ میں ایک نہایت ہی واہیات قسم کے دفتر میں رہا جہاں میرا ایک افسر بد تمیز دیہاتی تھا ۹؎

"ایم اے کلاس کے لڑکے لائل پور سے تھے لیکن مہذب تھے "۱۰؎

"گوجرہ ایک جہنم تھا جس کا در میرے لیے کھولا گیا تھا"۱۱؎

''مجھے ٹوکیو انٹر نیشنل سینٹر میں ٹھہرایا گیا جہاں لاطینی امریکہ، افریقہ اور جنوبی ایشیا کے غیر مہذب شرکا بھی مقیم تھے۔ رہنے سہنے اور کھانے پینے میں یہ قومیں بے حد بد تمیز ہیں۔''۱۲؎

"ایک ادھوری سر گزشت" میں ایک عمومی موضوع تقسیم ہندوستان اور اس سے جڑے واقعات کی تفصیل بھی ہے جس میں وہ امر تسر سے ہجرت کر کے لاہور آباد ہوتے ہیں۔ تقسیم ہندوستان کے دوران قتل و غارت گری، ظلم و بربریت کی داستانوں کے ساتھ پاکستان اور بھارت کے مابین پہلی جنگ ۱۹۶۵ء کے حالات واقعات بھی رقم کیے گئے ہیں۔

آپ بیتی کا آخری حصہ زیادہ تر ادبی میل جول کی داستانیں ہیں۔ کئی ایک ادبی معرکوں اور ملاقاتوں کا ذکر موجود ہے۔ ادیبوں کا تعارف، ادبی خاکے، اور ادبی میلان آپ بیتی کا حصہ ہیں جس سے اس زمانہ کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جہاں بدیسی ادیبوں سارتر، بودلیر اور راں بو کو سراہا گیا ہے وہیں ہم عصر ادیبوں، صحافیوں اور اساتذہ کے بارے میں بے لاگ تبصرے اور یک فقری

تنقیدی آرا کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ مختلف شخصیات سے ملاقاتوں کی جھلکیوں کے علاوہ ادیبانہ کاوشوں اور چپقلشوں کا ذکر بھی درج ہے۔ وقار عظیم، پروفیسر حمید احمد خان، انتظار حسین، قدرت اللہ شہاب، فیض احمد فیض سے انہوں نے ادبی چپقلشوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ انور سجاد اور ن م راشد کو انتظار حسین اور فیض احمد فیض سے بڑا افسانہ نگار اور شاعر سمجھتے تھے۔ جی ایم اثر اور دیگر اساتذہ کے بارے میں انیس ناگی کی رائے پہ ڈاکٹر پرویز پروازی لکھتے ہیں:

> "اگر اپنے اساتذہ کو متعارف کروانے کا یہی انداز ان کے نزدیک واجب تھا تو انیس ناگی نے اپنے بارہ میں جو نتائج اخذ کیے ہیں ان پر کسی دوسرے کو ایک حرف تک ایزاد کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ مکتب ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکا اور فیضانِ نظر انہیں نصیب نہیں ہوا۔" ۱۳

اس آپ بیتی میں انیس ناگی کے غزل کے بارے نظریات سے بھی واقفیت ہوتی ہے غزل کے بارے یہ رائے کلیم الدین احمد سے زیادہ متشدد محسوس ہوتی ہے۔ انیس ناگی خود نظم گو شاعر تھے شاید اس لیے غزل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس ناپسندیدگی کا اظہار کچھ ایسے کرتے ہیں:

> "میں نے اپنے بہت سے غزل گو شعراء دوستوں سے کہا ہے کہ غزل فحاشی کو پروموٹ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر وہ جنسی فعل کے بعد کوئی غزل لکھیں تو ان کی غزل میں نئے موضوعات دَر آنے کا مکان ہے۔" ۱۴

آپ بیتی کا اسلوب رواں ہے افسانوی انداز غالب رہتا ہے کہیں کہیں فلسفیانہ بحث دَر آتی ہے۔ واقعات کے بیان میں اچانک زندگی کی بے معنویت کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ گھریلو حالات کی تکرار ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے آپ بیتی میں موجود رہتی ہے۔ چاہے وہ بچپن کا زمانہ ہو، سکول کالج میں پڑھائی کا وقت ہو، روزگار کے معاملات ہوں یا ہسپتال میں والد کی تیمار داری کی ذمہ داری ہو۔ والد اور باقی گھر والوں سے شکوے تمام نہیں ہوتے۔ لیکن اس سارے قضیے میں انیس ناگی حسن بیان اور انداز بیان سے پہلو تہی نہیں کرتے اور حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔

انیس ناگی کی "ایک ادھوری سرگزشت" مزید ادھوری ہو جاتی ہے جب وہ کمال خوبی سے اپنی شادی اور ازدواجی زندگی کا تذکرہ گول کر جاتے ہیں۔ جاپان کے سفر کی داستان کے عین بعد وہ آئرلینڈ کے

سفر کا ذکر کرتے ہیں جہاں ان کا بیٹا ڈاکٹر ہوتا ہے۔ کم و بیش بیس پچیس سال کے عرصہ کے احوال کا ذکر نہ کرنا اس آپ بیتی کا بڑا نقص ہے۔ اگرچہ آپ بیتی میں زندگی کے ہر واقعے کو بعینہ درج نہیں کیا جا سکتا نہ ہی تفصیلاََ پیش کیا جا سکتا ہے لیکن جس مقدار میں انہوں نے اپنے والد گرامی اور بہن بھائیوں کا تذکرہ کیا ہے اس نسبت سے زندگی کے ایک اہم معاملے (اپنی ازدواجی زندگی) سے پہلو تہی کر جانا، ان کا ارادی فعل معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عورت، جنس، اور شادی کے بارے جس رائے کو آپ بیتی میں انہوں نے جا بجا پیش کیا ہے اس کی نفی ہو جاتی۔ شادی کے بارے میں لکھتے ہیں: "شادی ایک بے کیف جسمانی ورزش ہے اور شوہر نامدار، خواہ اس کی داڑھی ہے یا نہیں، ہمیشہ نئے جسموں کی تلاش میں رہتا ہے ہو سکتا ہے عورتیں بھی ایسا کرتی ہوں"[۱۵] اہلیہ اور بچوں سے تعلق کا ذکر اس حوالے سے بھی ضروری تھا کہ ان کے بقول وہ بچپن میں جس شفقت پدری سے محروم رہے اور گوں ناگوں نامساعد حالات کا شکار رہے، قاری متجسس ہوتا ہے کہ کیا اس کمی کو بحیثیت باپ انہوں نے پورا کیا یا پورا کرنے کی کوشش کی؟

آپ بیتی پڑھ کے اندازہ ہوتا ہے کہ انیس ناگی تضادات کا شکار رہے یا کم از کم انہوں نے آپ بیتی میں اس کا اظہار زیادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر پرویز پروازی لکھتے ہیں: "اس سرگزشت سے انیس ناگی کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ ایک حد سے زیادہ مایوس انسان کی ہے۔"[۱۶]

انہوں نے کئی ایک شہروں ملکوں کی سیر کی، وہاں قیام کیا، زندگی میں بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں رہیں لیکن والدین، بہن بھائیوں، دوستوں، رشتہ داروں، اساتذہ وغیرہ سے اچھے تعلقات اور قدرتی مناظر کی دلکشی کا بیان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا اس کے مقابلے میں ہر دوسرے شخص سے اکتاہٹ کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے انیس ناگی کی آپ بیتی پُر شکوہ مگر شکووں سے بھرپور ہے والد سے شکوہ سے شروعات ہوتی ہے اور فیض احمد فیض سے تضادات کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے۔

حواشی:

۱۔ ریحانہ خانم، فن آپ بیتی اور آپ بیتیاں، مشمولہ:الزبیر آپ بیتی نمبر، بہاولپور، ۱۹۶۴ء، ص۱۱

۲۔ انیس ناگی، ایک ادھوری سرگزشت، لاہور: جمالیات، ۲۰۰۸ء، ص۸۸

۳۔ ایضاً، ص۱۲۲

۴۔ ایضاً، ص۱۳

۵۔ ایضاً، ص۸۱

۶۔ ایضاً، ص۴۰

۷۔ ایضاً، ص۸۷

۸۔ ایضاً، ص۱۰۰

۹۔ ایضاً، ص۱۲۶

۱۰۔ ایضاً، ص۱۹۱

۱۱۔ ایضاً، ص۱۷۹

۱۲۔ ایضاً، ص۲۳۴

۱۳۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، پس نوشت (سوم)، لاہور: نیازمانہ پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۱۷۱

۱۴۔ انیس ناگی، ایک ادھوری سرگزشت، لاہور: جمالیات، ۲۰۰۸ء، ص۱۲۳

۱۵۔ ایضاً، ص۱۹۰

۱۶۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، پس نوشت (سوم)، لاہور: نیازمانہ پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۱۷۰